اِستتھی سامانیہ ہے

اشتیاق سعید

B-01، میرا پارہ ڈائرسی ایچ ایس، گیتانگر فیز۔II، بالاجی چوک، میرا روڈ۔401107 (تھانے) موبائل: 9930211461

ریڈیو نے اعلان کیا، ٹی وی نے بانگ دی، اخباروں نے یہ جملے لکھے:

''پچھلی رات شہر میں ہوئے سامپر دائیک دنگوں میں کچھ اِستھانوں پر چھٹ پُٹ گھٹنائیں گھٹیں، بلوائیوں نے پتھراؤ کیا، سوڈا واٹر کی بوتلیں پھینکیں، پیٹرول بم کا استعمال کیا، پولیس آیکت نے اٹھارہ تھانہ چھیتروں میں سنچار بندی کا نِردیش دیا ہے''۔

سنچار بندی..... یعنی کرفیو!..... شہر میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ زندگیاں گھر کی چار دیواریوں میں محبوس ہوگئیں، بازاروں، سڑکوں، کالجوں، سرکاری وغیر سرکاری دفاتر کی چہل پہل اور شور شرابے کو سنّاٹے کے اژدہے نے نِگل لیا ہے..... میری بلڈنگ سے مُلحق سڑک جہاں دن رات بسوں، ٹیکسیوں نیز دیگر موٹر گاڑیوں کے ہارن کی پُکار اور بریک کی چرمراہٹ گونجا کرتی تھی وہاں اب فقط بھاری بوٹوں کی دھمک ہے۔ البتّہ پچھلی شب اسی سڑک سے متصّل جھونپڑپٹّی سے دستی بم اور گولیوں کی دلدوز آوازیں اور آسمان کی جانب اُٹھتے کثیف دھویں کے کفن میں لپٹے ادھ مرے سماج کو انسانیت کی موت پر نوحہ کرتے ضرور سُنا تھا۔ ایسا دلخراش نوحہ جس کی تاب نہ لاکر امن کا چاند یکجہتی کے بادلوں میں چھپ کر سِسک پڑا۔ اخوت کے تارے اپنی روشنی کھو بیٹھے، تہذیب کا سورج منہ پہ رات کی کالک مل کے جانے کہاں جا ڈوبا۔ قومیت کے فلک پر محض تعصّب کے سِتارے اپنی ہولناکی بکھیرے ہوئے تھے۔ جن کے زیرِ سایہ بندوقیں گولیاں اُگل رہی تھیں، شعلے لپک رہے تھے، تلواریں کھنک رہی تھیں، خون و کِشت، لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا۔ صبح ہوتے ہوتے اسپتالوں میں زخمیوں کا تانتا بندھ گیا، مردہ گھروں میں لاشوں کے انبار لگ گئے، قبرستانوں میں قبریں کھودتے کھودتے گورکنوں کے ہاتھ شل ہوگئے، چتاؤں کے لیے لکڑیاں کم پڑنے لگیں۔ مرنے والوں کے کچھ پسماندگان رو رو کے بے حال ہو رہے تھے اور کچھ بہ ظاہر تو خاموش تھے، مگر اندر ہی اندر وہ بھی رو رہے تھے۔ اگر نہیں رو رہے تھے تو صِرف وہ جنھوں نے اِقتدار ہتھیانے کی خاطر اپنی شعلہ بیانیوں سے لوگوں کے ذہنوں کو مشتعل کر کے ''ہندوتو'' کے منچ پر بربریت کا یہ تانڈو پیش کیا تھا۔ نتیجتاً جو کل تک خوشحال تھے آج وہ بدحال و خانہ برباد ریلیف کیمپوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر پناہ گزین تھے اور بڑی تعداد میں اپنے اپنے آبائی وطنوں کی سمت کوچ کر رہے تھے۔ برخِلاف اس کے اِقتدار پرست بھیڑیئے لہو سے سیراپنی اپنی کمین گاہوں میں دُبکے شراب و شباب سے شُغل فرما رہے تھے اور برسرِ اِقتدار کوّے سیاست کی منڈیر پر بیٹھے عُروس البلاد یعنی شہروں کی دُلہن کہی جانے والی ممبئی کا سُہاگ اُجڑتے دیکھ رہے تھے۔

کرفیو کا آج پانچواں دِن ہے۔ گزشتہ پانچ دِنوں سے شہر مُسلسل سُلگ رہا ہے گو شہر کے تمام حسّاس علاقوں میں فوج کا فلیگ مارچ جاری ہے۔ سی آر پی اور ایس آر پی کے کئی کئی پلاٹون تعینات ہیں، سِٹی پولیس برابر گشت کر رہی ہے۔ اور تو اور کرفیو کی خلاف ورزی کرنے والوں کو دیکھتے ہی گولی داغ دینے کا حُکم بھی ہے۔ پھر بھلا کون لوگ ہیں وہ جو اِن سب اِنتظامات کے باوجود بے خوف و خطر آتش زنی کر رہے ہیں؟ پاکیزہ عصمتوں کو داغدار کر رہے ہیں؟ بے گناہوں کو لقمۂ اجل بنا رہے ہیں؟ میں سوالات کی زنجیروں میں جکڑتا جاتا ہوں کہ آخر پولیس والے اور حفاظتی دستے اُنھیں تشدّد سے باز رکھنے میں ناکام کیوں ہیں؟ اُن پر گولیاں کیوں نہیں برس رہی ہیں؟ کیوں؟؟ آخر کیوں؟؟

اسی آن دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ اس غیر متوقع دستک پر چونک پڑتا ہوں۔ غالباً اسی سبب سوالات کی زنجیر کڑی کڑی بکھر کر خوف کی صورت مجھ میں پھیل جاتی ہے اور بتدریج میرے رگ و پے میں سرایت کرنے لگتی ہے۔

''سنگھ صاحب کِواڑ کھولیے'' دوبارہ دستک کے ساتھ دبی دبی سی آواز ہم آہنگ ہوتی ہے۔ اگرچہ آواز جانی پہچانی معلوم ہوتی ہے پھر بھی تشویش ہوتی ہے کہ ان ناگہانی حالات میں؟..... بیوی بھی خوف کا پیکر بن جاتی ہے۔ ''آخر کون ہوسکتا ہے؟''

''پتہ نہیں'' میں لبوں کو سکوڑ کر لاعلمی ظاہر کرتا ہوں۔ بیوی کا خوف سوا ہو جاتا ہے وہ جھٹ ہاتھوں کو جوڑ اُوپر نگاہیں اُٹھا کر بُد بُداتی ہے۔ ''ہے بھگوان.....ہے سنتوشی ماتا کوئی آفت ہو تو ٹال دو''۔

''آفت!'' میں تھر تھر کانپنے لگتا ہوں۔ بیوی ہنومان چالیسا کا جاپ کرنے لگتی ہے۔ اس دوران باہر سے آنے والی دبی دبی آواز قدرے واضح ہو جاتی ہے۔

''سنگھ صاحب کواڑ کھولیے.....گھبرائیے نہیں.....میں ہوں .....میں رامچند ر!''

''آں! رامچند ر بابو؟'' میں یکسر نارمل ہو جاتا ہوں۔ خوف غلط کرنے کی غرض سے بیوی سے مخاطب ہوتا ہوں۔ ''اپنے پڑوسی ہیں..... رامچند ر بابو.....شاید اُنھیں کچھ چاہیے ہوگا۔'' اور آنِ واحد میں دروازہ کھول کے اُنھیں اندر کھینچ کر دوبارہ بند کر لیتا ہوں۔ یہ عمل اس تیزی سے ہوتا ہے کہ میری سانسیں اُکھڑ جاتی ہیں باوجود اس کے میں ایک ہی سانس میں اِستفسار کرتا ہوں۔ ''کہیے کیا بات ہے۔ میں آپ کی کیا سیوا کر سکتا ہوں؟'' جواب میں اُن کے ماتھے پر حیرانی کی سلوٹیں اُبھر آتی ہیں، آنکھوں میں تردّد کے سائے لہرانے لگتے ہیں پھر اُن کی پُر تردّد نگاہیں میرے اندر کی تلاشی لینے لگتی ہیں۔ مجھے سُبکی کا احساس اور اپنے اندر کسی چور کا گمان ہونے لگتا ہے۔ لہٰذا اُن کی نگاہیں مبذول کرانے کی غرض سے صوفے کی جانب اشارہ کر کے کہتا ہوں:

''تشریف رکھیے نا آ.....آپ.....آپ کھڑے کیوں ہیں؟''

''ہُنہ'' وہ معنیٰ خیز نگاہوں سے میری جانب تکتے ہوئے ہُنکاری بھرتے ہیں اور قدرے اطمینان سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوتے ہیں:

''سنگھ صاحب.....معلوم ہوتا ہے آپ اس کانڈ سے کچھ زیادہ ہی بھیبھیت ہیں''۔

''نہیں.....نہیں تو.....ایسا کچھ نہیں ہے.....میں.....میں تو محض آپ کے آنے کا مقصد دریافت کر رہا تھا''۔

''مقصد! اوہ سوری.....میں تو یہ بھول ہی گیا، بھائی اس میں دوش میرا نہیں آپ کا ہے جو آپ نے کواڑ کھولنے میں تاخیر کی..... خیر چھوڑیے! خبروں میں سُنا ہے آج حالات کچھ نارمل ہیں اس لیے کرفیو میں گھنٹہ بھر کی ڈھیل دی گئی ہے۔ سوچا آپ نے اگر خبریں نہ سُنیں ہوں تو.....!''

''کیا! حالات نارمل!.....کرفیو میں ڈھیل! کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ خبریں تو ہم نے بھی سُنی ہیں، کیوں آشا؟'' بیوی سے استفسار کرتا ہوں۔ بیوی اثبات میں سر کو خفیف سا جنبش دیتے ہوئے کہتی ہے.....''جی ہم نے تو ایسا کچھ نہیں سُنا''۔

''لیکن رامچند ر بابو.....اس کے برعکس یہ ضرور سُنا کہ شر پسندوں نے ماہم وانجہ واڑی میں تین لکڑیوں کی بکھاریں پھونک دیں، دھاراوی میں دو بیکریوں کو لوٹ کر تہس نہس کر دیا۔ ہاں! خبروں کے آخر میں یہ بھی سُنا کہ شہر کے حالات سامانیہ ہیں۔ یہ جملہ غالباً پانچ دنوں سے میری سماعت سے ہم آہنگ ہو رہا ہے۔ اگر واقعی شہر کے حالات سامانیہ ہیں تو کرفیو کیوں نافذ ہے؟ باوجود اس کے لُوٹ مار، آتش زنی، عصمت دری کا کھیل کون کھیل رہا ہے؟ کہیے رامچند ر بابو.....بولیے نا.....آپ..... آپ خاموش کیوں ہیں؟''

''سنگھ صاحب یہ وقت بھاؤ ناؤں میں بہنے یا مباحثہ کا نہیں ہے۔ فی الوقت کرفیو میں ڈھیل کا یہ ایک گھنٹہ بڑا اہم ہے۔ اس کا لمحہ لمحہ قیمتی ہے کیونکہ آج کے بعد یہ لمحات کب میسّر آئیں گے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ چُنانچہ بہتر جانو تو فوراً باہر نکلو اور بساط بھر کھانے پینے کی چیزوں کا ذخیرہ کر لو''۔

رامچند ر بابو کا یہ مشورہ سُن کر مارے خوشی کے اُچھل پڑتا ہوں ''واہ رامچند ر بابو واہ، خوب سُجھایا آپ نے.....یقین جانئے دو روز سے تو چائے تک کے لالے ہیں''۔

''سنگھ صاحب اسی لیے تو آپ کے پاس آیا ہوں۔۔۔ چلیے جلدی کیجئے.....ورنہ ڈھیل کا وقفہ.....!''

''ہاں ہاں! ضرور.....!'' اور جھٹ الماری سے سو سو کے کچھ نوٹ اور ایک بڑا سا تھیلا لے کر رامچند ر بابو کی اگوائی میں بلڈنگ کی سیڑھیاں اُترنے لگتا ہوں۔

ہم چہار دیواری کے حبس سے کھُلی فضا میں آجاتے ہیں..... یوں تو فضا میں اب بھی مُہیب سنّاٹے کا زہر باقی ہوتا ہے۔ جبکہ اکّا دکّا لوگ اِدھر اُدھر دِکھائی پڑتے ہیں وہ بھی سہمے سہمے سے، سو میں بھی سہم جاتا ہوں۔ شاید اسی سبب بدن میں تھرتھراہٹ اور پیروں میں لغزش ہونے لگتی ہے۔ رام چندر بابو میری کیفیت تاڑ جاتے ہیں اور مجھے سرتاپا دیکھتے ہوئے پوچھ بیٹھتے ہیں۔

''کیا بات ہے سنگھ صاحب! آپ کانپ کیوں رہے ہیں؟''

میں جھینپ جاتا ہوں ''نہیں.....نہیں تو.....دیکھو کہاں کانپ رہا ہوں''۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو جو واقعی بے طرح کپکپا رہے ہوتے ہیں

اُن کے آگے پھیلا دیتا ہوں پھر تھرتھراتے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بات بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔''وہ کیا ہے نا رامچند ر بابو دو روز سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے نا.....اسی لیے.....شاید کمزوری.....!''

''کمزوری ہی تو اِن دنگوں کا سبب ہے سنگھ صاحب!.....حکومت کی کمزوری، رہنماؤں کی کمزوری، مذہبی پیشواؤں کی کمزوری، قومی دھارے کی کمزوری، فکر و شعور کی کمزوری، کردار و اخلاق کی کمزوری! کمزور تو سارا مُلک ہوگیا ہے سنگھ صاحب.....کیا کیجئے گا؟ کیا کھلایئے گا؟ کون سی ٹانک کارگر ہوگی؟ اِنسانی لہو؟ ارے لہو تو بلڈ بینکوں کی میراث ہے، مگر افسوس! اِسے ہمارے یہاں بے دریغ گلی کوچوں، سڑکوں، گٹروں میں بہایا جارہا ہے''۔

میں خاموش سوچنے لگتا ہوں، رامچند ر بابو بجا فرما رہے ہیں کہ کمزوری ہی دنگوں کا سبب ہے۔اگر حکومت کمزوری برتنے کے بجائے سختی سے پیش آتی تو یقیناً اقتدار کی بساط پر مسجد مندر کو مہروں کی طرح استعمال کرنے والے سیاسی بازی گروں کی مات ہو جاتی۔حیف! ایسا نہ ہو کر مات مسجد کی ہوئی جو سیکولرزم کی بلند اور روشن مینار تھی.....نہیں نہیں!! مات تو مندر کی ہوئی ہے.....نہیں.....شاید دونوں کی!! چونکہ عمارت تو ایک ہی تھی۔بس نام جُدا جُدا تھے.....مسجد.....مندا! یعنی کہ یہ بات سیاست کے اُن ناتجربہ کار کھلاڑیوں کی ضامن ہے جو مُلک سے سیکولرزم کے تناور اور سایہ دار درختوں کو اُکھاڑ کر ہندوتو کی امر بیلیں لگانا چاہتے ہیں۔

''سنگھ صاحب.....کہاں کھو گئے بھائی؟''

''آں..... ہاں!''رامچند ر بابو کی آواز پر میری سوچیں مُنقطع ہوجاتی ہیں۔

''لگتا ہے میری بے سر پیر کی باتوں کا کچھ زیادہ ہی اثر لے لیا ہے آپ نے؟''

''نہیں نہیں۔ایسی بات نہیں ہے۔دراصل سیکولرزم و ہندوتو کے چکرویو، میں اُلجھا ہوا تھا۔''

''کیا! سیکولرزم و ہندوتو!!!..... ہنہ..... بکواس.....سب بکواس ہیں سنگھ صاحب۔۔ایکدم بکواس! کوئی فرق نہیں ہے دونوں میں۔یوں سمجھ لیجئے ایک ہی سکّے کے دو رُخ ہیں۔ایسے بھی اپنے یہاں تو سیکولرزم کی فصیل نعروں کے دوش پر کھڑی ہے، بھلا سوچئے ایسی فصیل کتنی دیرپا اور کتنی پائیدار ہوسکتی ہے؟ یہی سبب ہے جو انھیں دھارمیکتا و جاتیتا کی سُست سے سُست رو ہوائیں بھی درہم برہم کردیتی ہیں''۔

باتوں ہی باتوں میں ہم گلی عبور کرکے اسٹیشن کی جانب جانے والی سڑک پر نکل آتے ہیں اور اس سڑک پر ابھی چار چھ قدم ہی بڑھے ہوتے ہیں کہ عقب سے فائرنگ کی آواز گونجتی ہے۔اس آواز پر بہ یک وقت ہم دونوں ہی چونک کر پلٹتے ہیں۔دیکھتے ہیں کہ چند گز کے فاصلے پر ایک انسپکٹر ہماری جانب ریوالور تانے کھڑا ہے اور تین بندوق دھاری کانسٹبل تقریباً دوڑتے ہوئے ہماری سمت آرہے ہیں اور انسپکٹر چیخ کر مراٹھی زبان میں کہہ رہا ہوتا ہے:

''کھیچون آن دوگان نا''(دونوں کو کھینچ کر لے آ) آن کی آن میں کانسٹبل ہم دونوں کو پکڑے انسپکٹر کے حضور میں لے آتے ہیں۔انسپکٹر پتلون کی جیب سے وہسکی کی بوتل نکال کر تین چار گھونٹ حلق میں اُنڈیلتا ہے پھر ہمیں خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ڈپٹ کر پوچھتا ہے۔''کیا رے مادر.....کدھر گئیلا تھا لفڑا کرنے کو؟''

اُس کی خشمگیں نگاہوں کی تاب نہ لا کر میں تھرتھر کانپنے لگتا ہوں، مگر رامچند ر بابو پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔وہ قدرے مطمئن، لیکن متعجب لہجے میں گویا ہوتے ہیں۔

''لفڑا! کیسا لفڑا !!''

انسپکٹر دوبارہ وہسکی حلق میں اُنڈیلنے لگتا ہے اب کی تو غٹ غٹ غٹ ساری وہسکی ایک ہی سانس میں غٹک جاتا ہے اور خالی بوتل ایک طرف اُچھالتے ہوئے لڑکھڑاتی زبان سے استفسار کرتا ہے۔

''تیرے کو.....لفڑا.....نئی مالوم؟''

''جی نہیں!''

''.....بناتا ہے........ پولیس کو......بناتا ہے......نام بول!''

''گلاب سنگھ'' مارے گھبراہٹ کے میں اپنا نام بتا دیتا ہوں۔انسپکٹر مجھے ڈپٹتا ہے۔

''تُو چُپ رے......تیرے کو پوچھا کیا؟ تُو تو تھوبڑے سے ہی بھیا دِکھتا ہے''۔پھر اپنی نشے سے بوجھل آنکھوں سے ایک کانسٹبل کو دیکھتے ہوئے حُکم دیتا ہے۔

''شندے اِچا جھرتی کاڑھون گھے''۔(شندے اس کی تلاشی لے) اور وہ کانسٹبل میری جیبوں پر ٹوٹ پڑتا ہے اور سو سو کے نوٹوں کو نکال کر اپنی جیب میں ٹھونس لیتا ہے۔اس دوران دوسرا کانسٹبل بندوق کی بٹ سے رامچند ر بابو کو ٹھوکا دیتے ہوئے کہتا ہے۔''کھڑا کھڑا تھوبڑا کیا دیکھتا ہے......ساب کو نام بول''۔

اُس کی اس حرکت سے رامچند ر بابو جھنجھلا جاتے ہیں۔

''آپ لوگ چاہتے کیا ہیں؟ آخر کیوں جاننا چاہتے ہیں میرا نام؟

کیا واسطہ ہے آپ لوگوں کو میرے نام سے؟ کیا ہم بدمعاش، لُچّے لفنگے لگتے ہیں...... یا ہم ہی دنگائی ہیں؟ صاحب! افسوس ہے مجھے آپ کے اس شرمناک رویّے پر! پولیس تو عوام کی......''

اُن کے جملہ مکمّل ہونے سے پیشتر ہی ''تڑاخ'' انسپکٹر کا ایک زنّاٹے دار تھپّڑ گال پر پڑتا ہے۔

''سالا...... مادر...... پولیس کو گالی دیتا ہے''۔ تڑاتڑ تین چار تھپّڑ اور رسید کرتا ہے۔ اُس کا دیکھا دیکھی تمام کانسٹبل بھی اُن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اس بے دردی سے مارتے ہیں کہ وہ بے سُدھ ہوکر گر پڑتے ہیں۔ انسپکٹر اُنھیں بالوں سے پکڑ کر اُٹھاتے ہوئے کہتا ہے۔ ''نام بول'' ایک کراہ کے ساتھ اُن کی زبان سے بمشکل تمام ادا ہوتا ہے ''اِنسان''۔

''اِنسان!'' منجھے لانڈیا؟ (انسان یعنی لانڈیا۔ لانڈیا مسلمانوں کو حقارت سے کہا جاتا ہے) انسپکٹر زیرِ لب بُد بُداتا ہے۔

''ہوئے ساحیب.... مالاتر پہلاچ کڑلا ہوتا'' (ہاں صاحب، میں تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا) ایک کانسٹبل تائید کرتا ہے۔ پھر تینوں ایک دوسرے کو معنیٰ خیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اِشارے کنائے ہوتے ہیں اور یکبارگی سب کے سب اُن پر لات، گھونسے اور بندوق کی بٹ برسانے لگتے ہیں۔ ایسا کرتے ہوئے اس قدر جنونی ہوجاتے ہیں کہ ہر لات ہر گھونسے پر اُن کی زبانیں اُگلتی ہیں ''بول جئے شری رام.... بول جئے سیا رام.... بول جئے مہاراشٹرا'' آخر مارتے مارتے لہولہان کر دیتے ہیں۔ اس پر بھی انسپکٹر کی تشفی نہیں ہوتی اور وہ دھائیں دھائیں دو راؤنڈ فائر کر دیتا ہے، ایک پیر پہ دوسرا سینے پر! سینے سے خون اُبل پڑتا ہے اور میں وہاں سے جان بچا کر بھاگ کھڑا ہوتا ہوں۔

بیوی مجھے خالی ہاتھ ہانپتے کانپتے پسینے میں شرابور دیکھ کر سراپا سوال بن جاتی ہے۔ ''کیا ہوا؟ آپ اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟''

میں کوئی جواب دیے بغیر خود کو دھم سے صوفے پر گرا دیتا ہوں۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے مجھے کچھ ہوش نہیں۔ ہاں! جب ہوش ہوتا ہے تو خود کو پلنگڑی پر لحاف کے اندر پاتا ہوں۔ نتھنوں میں امرِت انجن بام کی بُو بسی ہوتی ہے اور کانوں میں ٹی وی پر خبریں نشر ہونے سے قبل کی موسیقی گونجتی معلوم ہوتی ہے۔ چند ثانیے بعد خبریں نشر ہونے لگتی ہیں۔ غنودگی کے سبب نیوز ریڈر کی زبان سے کیا ادا ہو رہا ہے کچھ سُن پاتا ہوں کچھ نہیں سُن پاتا...... ہاں! اخیر میں اتنا ضرور سُنتا ہوں کہ ''آج پربھات کال کرفیو میں دی گئی ڈھیل کے دوران مہانگر میں کوئی آپریہ گھٹنا نہیں گھٹی کیول کالینہ وِدیا نگری کے سمیپ الف سنکھیکوں کی ٹولی نے ایک ویکت کی گولی مار کر ہتیا کر دی''۔

''نہیں یں ں ں ں......جھوٹ ہے یہ''۔ میں بے ساختہ چیخ پڑتا ہوں، مگر افسوس! نُطق دم توڑ دیتا ہے۔

○○

ملک کے ممتاز ادیبوں اور ناقدوں کے مضامین کا خوبصورت، دیدہ زیب اور وقیع مجموعہ

ماہنامہ 'ایوانِ اردو دہلی' کا

دستاویزی شمارہ 'سرسید نمبر'

قارئین کے بے حد اصرار پر دستیاب ہے

سادہ ڈاک سے منگوانے کے لیے -/35 روپے اور بذریعہ رجسٹرڈ -/45 روپے کا منی آرڈر سکریٹری اردو اکادمی، دہلی کے نام ارسال کریں۔

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ناشر: اردو اکادمی، دہلی، سی۔ پی۔ او۔ بلڈنگ، کشمیری گیٹ، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

Phone: 23865436, 23863858, 23863566, 23863697, Fax: 23863773